ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

میر۔ عہدِ رواں کے تناظر میں

MIR-IN THE CONTEXT OF CURRENT ERA

*ظفر علی قریشی

پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

**محمد اکرام الحق

پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

***ڈاکٹر عطاء الرحمن میو

ایسوی ایٹ پروفیسر ،لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT:

Real name: Muhammad Taqi.Takhalus: Mir. Date of birth: Feb,1725(Agra,India) Date of Death 20 Sep, 1810(Lakhnwn,India). Alot about Meer's life has been figured out by his autobiographical writing called Zikr e Mir. Meer's literary reputation is anchored on the Ghazal in his Kulliyat e Mir. Mir live at the time when Urdu language and poetry was at a formative stage. He toke active role to promote the new era of Urdu.his complete works, Kulliyat, consist of six Diwans comprising a variety of poetic forms Ghazal,Masnavi, Qasida, Rubai, Hajve etc.There are lot of critical books on his life and poetry. his poetry is immortal.

کلیدی الفاظ:

اخلاقی شاہکار۔سفینہ۔گہرا وار۔انسان گردی۔ عصمت فروشی۔ دلخراش تمہید۔دل گداز۔نگاہِ الفت۔فکرِ پریشاں۔جور گردوں۔ قلمرو۔دردِ سخن۔حرف و سخن۔اوراقِ مصور۔وحشت زدہ۔مصنوعی بحران۔گوہرنایاب۔گندم گوں۔ستم طریفی۔لبادہ۔نشانِ عبرت۔کحلِ جواہر۔ تخیلات۔جادو نگاری۔آہ و فغاں۔سنسناہٹ۔شش جہات۔نڈھال۔بصیرت۔عہدِ ناقدری۔قنوطیت۔موزونیء طبع۔فصاحت۔عالمگیر۔

دورِ حاضر ایک بار پھر مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ نظام بنتا جارہا ہے۔اس کا ایک غیر اخلاقی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ انسان تو موجود ہیں، احساس ختم ہو گیا۔سرمایہ درانہ نظام جب قائم ہو جائے تو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ معاشرے کی عام سی اور روایتی کاوشوں سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے اقوام کی مشترکہ، مخلصانہ اور دلیرانہ جراءت کی ضرورت ہوتی ہے۔تاحال پوری دنیا میں کہیں ایسی جراءت وہمت کا کوئی اخلاقی شاہکار نظر نہیں آرہا۔ہم بس اس کے خاتمے کی امید لئے اللہ کے حضور دعا اور سوال ہی کرسکتے ہیں جیسے کہ اقبال نے فرمایا تھا:

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات(1)

دورِ حاضر کی مادیت پرستی نے انسانی اقدار کی پشت پر گہرا وار کیا ہے۔پیسہ اور زندگی کی بنیادی ضروریات چند ہاتھوں میں منتقل ہو رہی ہیں۔امیر امیر ترین اور غریب، غریب تر ہو رہا ہے۔یہی وہ خلیج ہے جہاں سے ناقابلِ یقین انسانی المیے جنم لیتے ہیں۔مثلاً آئے روز اب یہ خبر بھی دیکھنے اور سننے کو ملتی ہے ماں یا باپ نے بچوں سمیت خودکشی کرلی، اولاد نے ماں یا باپ کو قتل کر دیا، باپ نے بیٹی یا بیٹے کو جان سے مار ڈالا،

غربت کے ہاتھوں تنگ باپ نے بیٹی اور بیٹوں کو فروخت کے لئے پیش کر دیا۔سٹریٹ کرائم،ڈاکہ زنی اور رہزنی وغیرہ کی وارداتیں بھی عام دھندہ بن چکا ہے۔پیسے کی خاطر نوجوان قلیل سا معاوضہ لے کر ٹارگٹ کلنگ کرتے ہیں۔معاشرے کی ماں بیٹیاں دو وقت کی روٹی کے لئے ناچاہتے ہوئے بھی عصمت فروشی پر مجبور ہیں۔الغرض یہ نظام حیات زندہ رہنے کے لئے انسان فروشی، انسان گردی، انسان کشی اور خودکش حملہ آوری پر آمادہ کر رہا ہے۔ایسے معاشرے معاشی اور اخلاقی طور پر اُجڑ جاتے ہیں۔ایک غیر اعلانیہ جنگ ہے جس میں سب جائز سمجھا جارہا ہے۔جنگل کا قانون ہے جس میں سرمایہ دار اور طاقتور حکمرانی کر رہے ہیں۔ان حالات میں بے روزگاری اور بے راہروی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔یہ ہے وہ آج کا پیش منظر۔اس دلخراش تمہید میں کئی صفحات لکھے جاسکتے ہیں، تاہم مجبوراً مجھے اپنے عنوان کی طرف آنا ہے۔اس پیش منظر میں بالخصوص برِ صغیر پاک وہند کا خطہ متاثر ہے۔رہی سہی کسر کرونا وبا نے پوری کر دی ہے۔حالات کیسے بھی ہوں الیکن کچھ لوگ ہمیشہ ہی تپتے میدانوں میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ضرور ہوتے ہیں۔انہی میں سے ایک طبقہ شاعروں کا ہے۔شاعروں کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسے دردناک حالات میں سے ہی اپنے فن کو اپنے مخلصانہ احساس کے ذریعے صیقل کرتے چلے آئے ہیں۔

اس عہد کے اس تمہیدی پیش منظر سے آخر میر تقی میر ؔ کا کیا تعلق ہے؟اگر ہے بھی تو میرؔ کو انسان کے درد وآلام سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟ کیونکہ میرؔ کو تو بہت اہم اہم نقادوں نے بددماغ، دیوانہ، مغرور اور بے رخا قرار دیا ہے۔شاعرانہ طبیعت تو دل گداز، بے چین اور دوسروں کے لئے تڑپ رکھنے والی ہوتی ہے۔جیسے اقبال اپنی بے چینی کو ظاہر کرتا ہے:

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیط آبِ گنگا تُو مجھے(2)

میرؔ تو خود کو آرام طلب کہتا ہے:

ہو گا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ

کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو(3)

لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ میرؔ کو سمجھنے کے لئے ہمیں میرؔ کو نگاہِ اُلفت سے دیکھنا ہو گا۔ ہمیں اُس کی بد مزاجی و بد دماغی کو اس میں چھپے ہوئے شاعرانہ فن کو دیکھنا پڑے گا اور بہت سے ناقدین نے دیکھا بھی ہے۔ میرؔ نے خود کو ایک بڑا شاعر منوالیا ہے لیکن جس کا دماغ ٹھکانے نہ ہو وہ بڑا شاعر کیسے بن گیا؟ میں یہ سمجھتا ہوں بڑا شاعر اسی لئے بنا کہ اُس کا دماغ ٹھکانے نہیں تھا۔ بڑا شاعر عام انسان سے ہٹ کر دیکھتا، سوچتا اور پرکھتا ہے۔ وہ ہماری طرح عام خیالات کا مالک نہیں ہوتا۔ اسی لئے شاید وہ ہمیں نارمل انسان نہیں لگتا۔ میرؔ بھی ایک ایسا شاعر ہے جس کی سوچ بہت آگے کی تھی۔ اُس کے فکر و خیالات میں گہرائی تھی۔

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا

گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری (4)

دیوانگی کے عالم میں میرؔ نے ایک ایسی باشعور شاعری کی ہے کہ اگر کوئی میرؔ کے حالات زندگی معلوم کیے بنا یہ شاعری پڑھے تو وہ یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک دیوانے یا بدمزاج انسان کے اشعار ہیں۔ میرؔ کا کمال ہے کہ اُس نے اپنے داخلی ماحول میں منتشر پڑے خیالات، تجربات اور الفاظ کو جب شاعری کی شکل میں خارج کیا تو اُس میں زندگی کا ہر خوبصورت رنگ اور ایک منطقی ترتیب نظر آتی ہے جو ایک بڑے شاعر کے شایانِ شان ہونی چاہیے۔ میرؔ ایک ایسا دیوانہ شاعر تھا جس کو یہ شعور تھا کہ وہ جنونی طبیعت کا مالک ہے۔ مثنوی خواب و خیال میں اس کا اظہار بھی کیا ہے:

جگر جورِ گردوں سے خوں ہو گیا مجھے رُکتے رُکتے جنوں ہو گیا

ہُوا خبط سے مجھ کو ربطِ تمام لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام(5)

مزے کی بات یہ رہی کہ جنونی ہونے کے باوجود میرؔ کی شاعری کا عمومی مزاج جنونی نہیں۔ ادبی حلقوں میں میرؔ آج بھی اتنا ہی مقبول اور اہم ہے جتنا وہ اپنے دور یا اپنے بعد کے دور میں رہا ہے۔ اسی طرح ہم جب میرؔ کی شاعری کا مجموعی تاثر دیکھیں تو اس کے اشعار دورِ حاضر کے تناظر میں بھی ہمیں وہی اثر پیش کرتے ہیں جو میرؔ کے اپنے دور میں رہا یا جن کو میرؔ نے محسوس کر کے پیش کیا۔ تا حال میرؔ اپنے سے لے کر آج تک کے ادوار کا دُور رس شاعر ہے۔ وہ بڑے اعتماد سے کہتا ہے:

سارے عالم میں ہوں میں چھایا ہوا

مستند ہے میرا فرمایا ہوا(6)

شعر پڑھتے پھرتے ہیں سب میرؔ کے

اس قلمرو میں ہے اُن کا دور اب(7)

ہمارے عہد میں اقبال اور غالبؔ آفاقی شاعر ہیں۔ اقبال اپنی طرز کا منفرد شاعر ہونے کے ساتھ ہمارے لئے ایک قومی لیڈر کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح غالبؔ بھی صاحب طرز شاعر ہے جو انسانیت کا فطرت شناس شاعر ہے۔ یہ میرؔ کی شاعرانہ ہمت ہے کہ وہ آج بھی ان دونوں معتبر شاعروں کے مقابلے میں اپنا مقام بنا کر کھڑا ہے۔ اقبال سے ہمارا قومی و ملی سطح کا رشتہ ہے۔ غالب سے ہمارا انسانی جذبات و نفسیات کا رشتہ ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آج کے عہد میں میرؔ سے ہمارا کیا اور کس قسم کا رشتہ ہے؟ میرے خیال میں میرؔ سے ہمارا درد کا رشتہ ہے۔ میرؔ ہمارے عہد کے درد کو اپنے ہی عہد میں ہماری طرح محسوس کر گیا۔ میرؔ نے اپنے دور میں دلّی کی بربادی کا درد دیکھا۔ داخلی طور پر اُن کا دل بھی اپنوں کی بے رُخی، غربت اور عشق میں ناکامی سے داغدار تھا۔ انھوں نے سخن ورانہ لہجے میں ان سب رنج و الم کو کئی باریکیاں کر کے بیان کر دیا۔ مثلاً دلّی اور دل کو ایک ہی شعر میں یوں بیان کیا:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے

یہ چمن سو مرتبہ لُوٹا گیا(8)

اور ایک جگہ دل کی حالت یوں بیان کی ہے:

آہِ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا

اِس باؤ نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

تکلیف دردِ دل کی عبث ہم نشیں نے کی

دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رُلا دیا(9)

ہم اگر اپنے دور میں غور کریں تو ہمارے مُلک کے داخلی اور مسلمانوں کے بہت سے شہر اور بستیاں دلّی کی طرح اُجڑ گئی ہیں۔ جب مُلک، شہر اور بستیاں اُجڑتی ہیں تو انسانی المیے جنم لیتے ہیں۔ ان المیوں میں اپنوں کی جدائی میں دل بھی ویران ہو جاتے ہیں۔ عہدِ حاضر میں طاقتور مُلک کمزور ممالک کو بلاجواز برباد کر چکے ہیں۔ جنگِ عظیم سے لیکر ماضی قریب میں عراق، افغانستان، شام اور فلسطین میں انسانوں کو بے رحم انداز میں اجتماعی طور پر بے گناہ قتل کیا گیا۔ جب ہم اس پس منظر میں میرؔ کے اشعار دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرؔ نے ان المیوں کو دیکھ کر ہی یہ اشعار لکھے۔ میرؔ ان

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

المیوں کے گویا عینی شاہد ہوں۔ ہم بھی اگر محسوس کریں تو ایسا ہی لگے گا کہ میرؔ آج بھی ہمارے حال کے ترجمان ہیں اور ہمارے درمیان موجود ہیں۔ میرؔ تو اس مذکورہ پس منظر کے پس منظر میں تھے، لیکن وہ اتنے بڑے شاعر ہیں کہ آج کے پیش منظر میں بھی

ہمارے دکھ درد کے ساتھی ہیں۔ وہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھتے نظر آتے ہیں۔ میرؔ اپنے مزاج میں انسانیت کے لئے نا صرف مستقل درد دل رکھتے ہیں بلکہ انسانیت کے مستقبل کے بھی غمگسار ہیں۔ دنیا میں انسانی ناقدری، مادہ پرستی اور ظلم کی جو داستانیں رقم ہو رہی ہیں، میرؔ آج بھی اُن کا ترجمان ہے۔ اُس کے اشعار میں موجودہ عہد کی بھی عکاسی ہے:

دُور تک رُسوا ہوا ہوں شہروں شہروں مُلک مُلک میرے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب (10)

ملکوں ملکوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دیہہ دیار شعر و بیت و غزل پر اپنی ہنگامہ ہے گھر گھر آج(11)

شعر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں کس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں (12)

کشمیر اور فلسطین میں کفار نے مسلم آبادیوں میں جو ظلم ستم کیا ہے وہ دلّی کی بربادی سے کسی طرح کم نہیں۔ بس جدید و قدیم ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کا فرق ہے۔ سوچ اور ذہنی ظالمانہ کیفیت وہی تھی۔ نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی، مرہٹوں، روہیلوں واور دیگر حملہ آوروں نے دہلی کو اپنے ظلم و بربریت کی تجربہ گاہ بنا رکھا تھا۔ بے گناہ دلّی کے رہنے والوں پر جو ستم ڈھائے اُن کی نمایاں مثالیں اگر تلاش کرنی ہوں تو ہم کشمیر اور فلسطین میں دیکھ سکتے ہیں۔ بوسنیا، عراق اور افغانستان اس سے سوا ہیں۔ دورِ حاضر کے نادروں اور ابدالیوں نے مل کر عورتوں، بچوں، بوڑھے کو بھی بلا تخصیص ااپنے روایتی وحشیانہ ظلم کا نشانہ بنایا۔ دہشت گردی کو ختم کرنے کی آڑ میں بدترین اجتماعی دہشت گردی کی گئی۔ وہاں کے مظلوموں کے چہروں پر غور کریں تو وہی داستانِ ستم نظر آئے گی جس کا تذکرہ میرؔ نے دہلی کے رہنے والوں کے لئے کیا تھا:

دلّی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی(13)

دلّی کی بربادی کو وہ اپنے دل کی ویرانی سے کئی اشعار میں جوڑتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں اور انسانیت پر جو ظلم ہو رہے ہیں، ہمارے اپنے مُلک میں انسانیت سوز کرائم کی شرح میں خوفناک اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ آج تو یہاں کوئی نادر شاہ یا احمد شاہ ابدالی نہیں ہے؟ لیکن ظلم کی داستانیں کیوں رقم ہو رہی ہیں؟ جب شہر کی گلیوں میں موت کے سائے ہوں اور اپنے بے موت ماریں جائیں تو اہلِ درد کے دل بھی میرؔ کے دل کی طرح ویران اور وحشت زدہ ہو چکے ہیں۔ میرؔ نے عموماً اپنے دل اور دلّی کو ساتھ ساتھ رکھا ہے:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لُوٹا گیا (14)

دیدہ گریہ ہمارا نہر ہے
دل خرابہ جیسے دلّی شہر ہے(15)

اُس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے
جیسے کسی کا کوئی نگر ہو لُٹا ہوا(16)

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے(17)

شہر دل ایک مدت اُجڑا بسا غموں میں
آخر اُجاڑ دینا اس کا قرار پایا(18) جسکو تم آسمان کہتے ہو
سو دِلوں کا غبار ہے اپنا(19)

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے، سنو ہو، یہ بستی اُجاڑ کر(20)

دلّی جب بھی اُجڑا، دنیا میں اُس پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اُٹھانے والی انسانی حقوق کی ایسی تنظیمیں موجود نہیں تھی جو آج ہیں۔ اقوامِ متحدہ سمیت بے شمار تنظیمیں ہیں اور میڈیا کی آوازیں بھی ہیں۔ میرؔ نے اپنے تیئں اُس دور میں یہ کام انجام دیا۔ میرؔ کا چڑچڑا مزاج کسی این جی او سے کم نہیں تھا۔ وہ صرف مسلمانوں کے ہی ترجمان نہیں تھے بلکہ اُن کی شاعری انسانی حقوق کی شاعری تھی۔ وہ پوری انسانیت کا درد رکھتے تھے۔ لیکن آج مسلم ممالک کی تنظیم اس جدید دور میں بھی مسلمانوں کی توانا آواز نہیں بن سکتی۔ اگر یہ تنظیم ظلم کے خلاف کوئی بیان دے بھی دے تو یورپ کے ارباب اختیار، صیہونی اور یہود اس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتیں بلکہ کسی خاطر میں نہیں لاتیں۔ دنیا میں او آئی سی کا یہ حال میرؔ کے اس شعر کے مترادف ہو چکا ہے:

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی(21)

پاکستان اور ترکی کو چھوڑ کر، دنیا بھر کے مسلم ممالک مل کر بھی اقوام متحدہ سے وہ بات نہیں کہہ سکے جو میرؔ صاحب اس شعر میں کہہ گئے:

ترا کوچہ ہے ستم گار وہ کافر جا گہ کہ جہاں مارے گئے کتنے مسلمان یکجا(22)

اب ہم اپنے مُلک اور معاشرے کی ناہمواریاں دیکھ لیں تو دل میرؔ کی طرح خون کے آنسو روتا ہے۔ مہنگائی اور روزگار کا حال یہ ہے کہ غریب تمام تر کوشش کے باوجود بنیادی انسانی ضرویات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ میرؔ صاحب یہاں بھی ہمارے غرباء کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں:

کیا کہیں میر جی ہم تم سے معاش اپنی غرض غم کو کھایا کریں ہیں لوہو پیا کرتے ہیں (23)

ہمارے مُلکی حالات میں غریب اور متوسط طبقے کے لئے نیم قحط سالی کی سی کیفیت موجود ہے۔ آٹے، چینی اور پانی کا مصنوعی بحران ایسا ہی ہے جیسا جنگ کے دنوں میں ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار تو آٹا مہنگے داموں بھی نہیں ملتا۔ میرؔ نے بھی دلّی میں ایسے بحران کی طرف اشارہ کیا ہے جب اناج کا دانہ گوہرِ نایاب بن گیا: ان دو اشعار میں اس کی جھلک دیکھیے:

بلا قحط مروّت ہے کہ ہے محصول غلے پر کہیں سے چار دانے لاؤ لیویں جا بجا حاصل(24)

خوب رُو اب نہیں ہیں گندم گوں میرؔ ہندوستاں میں کال پڑا(25)

اور پھر یہاں ستم ظریفی یہ ہے کہ عوام اور جمہوریت کے نام پر اقتدار میں آنے والی قوتیں صرف اپنے ذاتی مفادات کی ہی محافظ ہوتی ہیں۔ ہم عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے حقِ رائے دہی سے اقتدار میں آئی ہیں۔ میرؔ یہاں بھی اِن پس پردہ قوتوں کو اس طرح بے نقاب کرتے ہیں:

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو توعبث بدنام کیا

یاں کے سپید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جُوں تُوں شام کیا(26)

دِین کے نام پر ہمارے معاشرے میں منافقت کا باقاعدہ ایک غیر اعلانیہ نیٹ ورک موجود ہے، جس میں سادہ لوح انسانوں کو روحانی سطح پر ڈھوکہ دیا جاتا ہے۔ بے شمار حاجی نمازی اور پیر فقیر دین کا لبادہ اوڑھ کر معاشرے کے معزز رکن نظر آتے ہیں۔ میرؔ نے آج کے دور کے ان منافقین کے بارے میں بھی کیا خوب کہا ہے:

مکے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا(27)

کس کی مسجد، کیسے میخانے، کہاں کے شیخ و شاب ایک گردش میں تری چشمِ سیہ کے سب خراب(28)

میرؔ نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے عروج و زوال دیکھے تھے۔ حکمرانی کی ہوس میں انسان ہمیشہ ہی دست و گریباں رہے۔ لیکن آخر کار ہر عروج پر رہنے والا انسان بھی مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ ہم نے بھی اس اپنے عہد میں میرؔ کی طرح بہت طاقتور اور مضبوط حکمران

دیکھے ہیں جن کو آخر کار ناقابلِ یقین زوال آیا۔ عراق کے صدر صدام حسین، مصر کے حکمران قذافی، سعودی عرب کے فرمانرواں شاہ فیصل، ایران کے بادشاہ شاہِ ایران اور ہمارے مُلک کے بہت سے صدور و سربراہِ مملکت دیکھتے ہی دیکھتے ذوال پذیر ہوئے۔ کچھ تو نشان عبرت بن گئے۔ کئی بین الاقوامی سازشوں کا شکار بنے۔ جب میرؔ کے ایک مشہورِ زمانہ اس آفاقی شعر کے پس منظر میں ان سب عوامل کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے میرؔ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں:

تری گلی سے سدا اے کشندۂ عالم
ہزاروں آتی ہوئی چار پائیاں دیکھیں
شہاں کہ کحلِ جواہر تھی خاکِ پا جن کی
اُنھیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں (29)

دو شعر اور دیکھیے کہ جہاں ان المیوں کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

خالی پڑا ہے خانہ ءدولت وزیر کا
باور نہیں تو آصف آصف پُکار دیکھ (30)
مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم تو واں
کل دیر میرؔ میرؔ پُکارے، نہیں ہے اب(31)

میرؔ کے شاعرانہ تخیلات میں صدیوں تک باقی رہنے والا دم خم موجود ہے۔ یہ عالمِ انسانیت کی مجموعی حیات کی آواز ہے۔ میرؔ نے ہمیں دکھوں سے متعارف ہی نہیں کروایا بلکہ درد میں جینے کا بِلا معاوضہ ہُنر بھی سکھایا ہے۔ فراق گورکھپوری نے اپنے ایک مضمون میں میرؔ کو ایک عالمگیر شاعر قرار دیا ہے:

”میرؔ کی جادو نگاری اور میرؔ کی سحر کاری میں جو بات سب سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے، جو حقیقت سب سے زیادہ نظر آتی ہے اور جس میں اس کی عالمگیر مقبولیت کا راز پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے داخل ترین محسوسات کی اتنی فطری مصوری اور وہ بھی کم سے کم الفاظ میں، سادہ سے سادہ الفاظ میں معمولی سے معمولی الفاظ میں اُردو کا کوئی دوسرا شاعر نہیں کر سکا۔ ان کے ایسے اشعار ہمارے دل کی آکری تہوں سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ نہیں بول رہے ہیں، ہماری انسانیت اور فطرت بول رہی ہے۔۔۔۔ میرؔ کی شاعری فن کو صلیب پر چڑھا کر اسے پھر سے زندہ کر دیتی ہے۔۔۔۔ میرؔ کے بکھرے ہوئے آنسوؤں میں ہمیں بحرِ حیات کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ میرؔ کی آہ و فُغاں میں شش جہات کی ہواؤں کی سنسناہٹ ہے۔ میرؔ جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہے تو لگتا ہے اس نے انسانیت کے دل پر ہاتھ رکھا ہے میرؔ عالمگیر میرؔ بن جاتا ہے۔(32)

میرؔ ایک ایسا بڑا شاعر ہے جس نے داخلی و خارجی دکھوں کے اتحاد سے ایک طرح کی جہنم دیکھی۔ وہ اپنے عہد کی ہولناکیوں میں بھی دل جمعی سے شاعری کرتے رہے۔ اُس نے اسی جہنم سے گزر کر شاعری کو جنت بنایا ہے۔ وہ اپنے قاری کو بھی جہنم سے جنت تک سفر کے سخت تجربے سے گزارتا جاتا ہے۔ میرؔ کا عہد ہو یا دورِ حاضر میرؔ ہمیں کہیں اکیلا نہیں چھوڑتا۔ میر چونکہ آبائی حوالے سے سپاہی پیشہ اور درویش تھے، اس لئے اُن کے شاعرانہ مزاج میں بھی حق کے لئے مر مٹنے کا جذبہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو دورِ حاضر کے ہر مسلمان کا بھی گمشدہ سرمایہ ہے۔ ہمیں بھی میرؔ کی طرح اقبالؔ کی خودی کی حفاظت کے لئے ڈٹ جانا چاہیے۔

معرکہ گرم تو تک ہونے دو خونریزی کا پہلے تلوار کے نیچے ہمیں جا بیٹھیں گے (33)

غربت سے تنگ آئے غیروں سے لڑ مریں گے آگے بھی میرؔ سید کرتے گئے ہیں ساکا(34)

دکھ درد تو انسان کے مستقل ساتھی ہیں۔ میرؔ کو غمگین شاعر کہا جاتا ہے۔ ہاں شاید یہ ٹھیک ہے، لیکن میر غمگین شاعری تو کرتا ہے، لیکن وہ مایوس نہیں ہے۔ یہی وہ رویہ ہے جہاں دورِ حاضر میں بھی ہمیں ہمت سے زندہ رہنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اس عہد میں بھی میرؔ ہمیں غم سہنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ غم کو کس طرح اپنی طاقت و سرمایہ بنانا ہے۔ وہ غم کی ترجمانی بھی شاندار انداز میں کرتا ہے۔

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دل کے جانے کا نہایت غم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی ایک مُدت تک وہ کاغذ نم رہا(35)

دوسرے مصرعے کو اگر ہم دورِ جدید کے تقاضے کے مطابق کچھ تبدیل کر لیں تو عہد حاضر کے عشاق شاید زیادہ پُر اثر محسوس کر سکیں گے:

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی ایک مُدت تک وہ "میسج" نم رہا

اپنے اور غیروں کے دکھوں سے نڈھال میرؔ نے حوادث کو اپنی شخصیت میں شامل کر لیا تھا۔ دکھ سہتے تھے اور جیتے جاتے تھے۔ آج بھی دکھوں کے ماروں کو زندگی گزارنے کا سبق دے رہے ہیں:

ہزار بار گھڑی بھر میں میرؔ مرتے ہیں انھوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے(36)

دنیا میں بے وفائی کا کوئی علاج نہیں، ہاں البتہ اس کے ردِ عمل ہیں۔ مثلاً خودکُشی کر لی جائے، بے وفا کو مار دو، ترکِ دنیا کر لی جائے یا مفلوک الحال انسان جیسی زندگی گزارو۔ اس قسم کے ردِ عمل ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے رہتے ہیں۔ لیکن میرؔ کی عشق میں ناکامی کا جذبہ پھیل کر وسیع انسانی تجربہ بن گیا۔ اُن کی قنوطیت بے سبب نہیں تھی بلکہ اس میں ایک قناعت تھی جو انسان کو ذہنی انتشار سے بچاتی ہے۔ انھوں نے یہ وقت حوصلے، شرافت اور ثابت قدمی سے گزارا۔ مزید یہ کہ اپنے فنِ شاعری کو بھی صیقل کر گئے۔ وہ محبوب کی عزت و ناموس کے پہرے دار رہے۔ آج تک یہ ایک سربستہ راز ہے کہ اُن کا محبوب کون تھا؟ وہ اپنے محبوب کا ذکر سُن کر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے تھے۔

ہمارے سامنے جب کسو نے تیرا نام لیا

دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا(37)

عہدِ رواں کے سچے عشاق کے لئے میرؔ کی شاعری اور اُن کی زندگی کے رویے مثال ہے کہ عشق میں ناکامی ایک المیہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ زندگی کی ناکامی نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اسی المیے پر کامیاب زندگی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ میرؔ اس لئے بھی ایک بڑا شاعر ہے اس کی تقلید کرنا آسان نہیں، لیکن اس کی شاعری کو بڑے دل کے ساتھ پڑھا تو جا سکتا ہے۔ دکھ درد اور مایوسی میں زندگی گزارنے کے جو عملی رویے ہمیں بتائے ہیں اس عہد میں بھی اُن پر عمل پیرا ہونا مشکل نہیں۔ اب اسے اتفاق کہہ لیجیے یا میرؔ کی بصیرت کہ ہمارے اور میرؔ کی شاعری کے عہد کے محرکات مشترک نظر آتے ہیں۔ گو کہ ہمارے اور میرؔ کے عہد میں بہت بُعد ہے، تاہم ذرا محسوس تو کیجیے اس عہدِ ناقدری میں بھی میرؔ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ لوٹ کر آگیا ہو جیسے۔ شاید اُس کی یہ خواہش پوری ہو گئی ہو:

اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میرؔ

پھر ملیں گے اگر خدا لایا(38)

اختتام پر میں مولوی عبدالحق صاحب کے چند خیالات، جو انھوں نے میر تقی میرؔ کی شاعری کو عالمگیر حُسن قرار دیتے ہوئے کہے، لکھنا چاہتا ہوں:

"میر تقی میرؔ سرتاج شعرائے اُردو ہیں، ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام فارسی زبان میں۔ اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میرؔ کا نام اس فہرست میں ضرور داخل کرنا ہو گا۔ یہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جنھوں نے موزونیء طبع کی وجہ سے یا اپنا دل بہلانے کی خاطر یا دوسروں سے تحسین سننے کے لئے شعر کہے ہیں، بلکہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو ہمہ تن شعر میں ڈوبے ہوئے تھے اور جنھوں نے اپنے کلام سے اُردو کی فصاحت کو چمکایا اور زبان کو زندہ رکھا۔ شاعری میر صاحب کی زندگی کا جزو تھی، گویا فطرت نے اُنھیں اسی سانچے میں ڈھالا تھا۔ ان کا احسان اُردو زبان پر تا قیامت رہے گا اور ان کے کلام کا لطف کسی زمانے میں کم نہ ہو گا۔ کیونکہ اس میں وہ عالمگیر حسن ہے جو کسی خاص وقت یا مقام سے مخصوص نہیں۔

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز

تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا(39)

میرؔ نے پُر خلوص جذبوں کی شاعری کی تھی۔ اسی لئے شاید اُسے اپنی شاعری پر کامل بھروسا اور یقین تھا کہ وہ ہر عہد کا شاعر تسلیم کیا جائے گا۔ اس نے متعدد بار اپنے کلام میں تعلی سے کام لیتے ہوئے اس کا اظہار شاندار، جاندار، خوددار اور پُر اعتماد انداز میں کیا۔ اس حوالے سے میں میرؔ صاحب کا ایک شعر لکھ کر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں:

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے

جب مرا انتخاب نکلے گا(40)

حوالہ جات:

(1)کلیاتِ اقبال(اُردو) خصوصی ایڈیشن، نظم لینن (خدا کے حضور)،بالِ جبریل،ناشر پروفیسر شہرت بخاری،اقبال اکادمی لاہور،1990

(2)کلیاتِ اقبال(اُردو) خصوصی ایڈیشن، نظم صدائے درد۔ بانگِ درا،ناشر پروفیسر شہرت بخاری،اقبال اکادمی لاہور،1990

(3)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۸،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(4)،کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص347ؔ،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(5)کلیات میر تقی میر، مثنوی خواب وخیال،ؔ،جلد دوم، ص239 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(6)کلیات میر تقی میر، در ہجوناہل مسمیٰ بہ زبان زدعالمؔ،جلد دوم، ص302 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی 2013

(7)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص458،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،1983

(8)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۸۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(9)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص236،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(10)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلد چہارم، ص680،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(11)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلد چہارم، ص684 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(12)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلد چہارم، ص713 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(13)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص313 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(14)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۸۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(15)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص812،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(16)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۱۶،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(17)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص405،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(18)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص191 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(19)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۸۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(20)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۴۶،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(21)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص849،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(22)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص217،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(23)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول،284 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(24)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص812 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(25)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص213 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(26)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۶۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(27)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۹۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، دہلی، سن ندارد

(28)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص243،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(29)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص293،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(30)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص794 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(31)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص592،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(32)فراقؔ گورکھپوری، میرؔ کی عالمگیریت، مضمون مشمولہ کلیات میر تقی میر، ص87،مرتب ظلِ عباس،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، دہلی،2013

(33)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص373،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(34)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص667 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(35)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص221 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(36)کلیات میر تقی میرؔ،غزل، جلداول، ص560،مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی،2013

(37)میر تقی میرؔ،عام فہم سُرخ جیبی سلسلہ کی کتاب نمبر9 مصنفہ ءعارف حسن، ص۷۵،دی حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی، سن ندارد

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

(38)کلیات میر تقی میرؔ، غزل، جلد اول، ص214، مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی، 2013

(39)مولوی عبدالحق، مضمون، ماہنامہ ادب، جلد اول، شمارہ نمبر11 کراچی، اپریل 1993

(40)کلیات میر تقی میرؔ، غزل، جلد اول، ص237 مرتب ظلِ عباس عباسی،، قومی کونسل برائے فروغ اُردو، نئ دہلی، 2013